© rasailojaraid.com

ترک خواتین اور تحریک احیائے اسلام[1]

کیتھی بنٹن*

میں نے یہ مقالہ اس نقطۂ نظر سے لکھا ہے، کہ امریکی دانش ور اس حقیقت کو جان لیں کہ آج ترکی کی مسلمان عورت، ایک سیکولر ماحول میں رہنے کے باوجود کن حالات سے گذر رہی ہے۔ اس مسئلے کو سمجھنے کے لیے ہمیں پچھلی صدی میں جانا ہو گا، جب خلافت عثمانیہ کے ایک اہم حکمران سلطان عبدالمسید (Abdulmecid) نے ۱۸۳۹ء میں اصلاحات نافذ کیں۔ ان اصلاحات کے مطابق اس نے عدالتی، تعلیمی، اور انتظامی میدانوں میں سیکولر یا لادینیت پسندانہ پالیسیوں کو نافذ کیا۔ خاص طور پر غیر مسلم اقلیتوں کے لیے آئینی حقوق میں اضافہ کیا۔ یاد رہے عثمانی حکمران اپنے اقتدار کو اسلامی شریعت سے منسوب کرتے تھے۔ ان اصلاحات کو ساٹھ برس گذر گئے تو سلطان عبدالحمید دوم (۱۸۷۶ - ۱۹۰۹ء) نے جدید ترکی کی تعمیر کے لیے، اسلامی قوانین سے تعلق جوڑنے کی کوشش کی، لیکن اب حالات بدل چکے تھے، گردش زمانہ نے اب ترکوں میں ایسی قیادت کو برگ وبار عطا کردیئے تھے، جو اسلام کو سیاسی اور عوامی میدان سے بالکل بے دخل کرنے کا عزم رکھتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ سلطان کو اپنے عزائم ناکام ہوتے دکھائی دیئے، اور پھر کچھ ہی عرصہ بعد اس اقتدار کی بساط ہی لپیٹ کر رکھ دی گئی۔ اس سوچ کی توسیع، مصطفیٰ کمال اتاترک کے انقلاب کی صورت میں سامنے آئی، جس نے ترک جمہوریہ کے اسلامی تشخص کو ختم کیا اور مذہب اسلام کو مسلمانوں کے محض ذاتی معاملے تک محدود کر دیا۔

مصطفیٰ کمال اور اس کی ری پبلکن پیپلز پارٹی نے ۱۹۲۳ء سے ترکیہ میں انقلابی اصلاحات کے نفاذ کا آغاز کیا، جن کے تحت ۱۹۲۶ء تک ترکی کو مکمل طور پر لادینی ریاست میں ڈھال دیا گیا۔ انہوں نے "اطالوی ضابطہ فوجداری" اور "سوئس ضابطہ دیوانی" کو نافذ کیا۔ ضابطہ فوجداری کے آرٹیکل ۱۶۳ کے مطابق مذہب یا مذہبی جذبات کے استعمال کو ریاست کے وجود کے لیے "خطرہ" قرار دیا گیا۔ لیکن اس سے بھی زیادہ "ضابطہ دیوانی" نے ترک معاشرے پر بڑے گہرے اثرات مرتب کئے، جس کی زد فرد کی ذاتی اور خانگی زندگی پر پڑتی ہے۔ ان قوانین کے تحت تعدد ازواج

---

*Cathy Benton, The Muslim world, April 1996.

(ترجمہ : سلیم منصور خالد)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور مرد کے حق طلاق یا قطع تعلق پر قدغن لگادی گئی۔ سول میرج اور طلاق کا حق مرد اور عورت کو برابر برابر دے دیا گیا۔ ۱۹۳۴ء میں عورتوں کو حق رائے دہی دیا گیا اور اتا ترک کی یک جماعتی ریاست میں اپنے نمائندے چننے کی سہولت دی گئی۔ ریاست کو مکمل طور پر دینی اداروں سے بے تعلق کر دیا گیا۔ ان اقدامات نے ترکی میں صدیوں سے موجود گہرے اسلامی تشخص کو فیصلہ کن انداز سے ہلا کر رکھ دیا۔

دینی مدارس بند کردیے گئے۔ مساجد سے موذنوں پر پابندی لگادی کہ وہ عربی میں اذان نہیں دے سکتے' البتہ ترکی زبان میں ایسا کر سکتے ہیں۔ روایتی لباس "فیز" کا استعمال ممنوع قرار دیا گیا' جسے ۱۸۲۰ء میں سلطان محمود نے متعارف کرایا تھا۔ ۱۹۲۵ء میں "فیز" کا پہناوا فوجداری جرم قرار پایا۔ اس طرح کے اقدامات پر روشنی ڈالتے ہوئے' مشہور مستشرقہ این میری شمل کہتی ہیں کہ "صوفیا کے حلقوں اور زاویوں کو ختم کرنے کے لیے اتا ترک نے بھرپور اقدام کیا۔ کیونکہ ان کا خیال تھا کہ روحانی جذبوں کے حامل یہ مراکز ترقی کی راہ میں رکاوٹ بنیں گے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس سب کچھ کے باوجود' یہ اقدار آج بھی موجود ہیں"۔

درویشوں کے روحانی نظام کو ختم کرنے کی کوششوں سے بڑا قدم' اتا ترک کی جانب سے اسلامی عدالتی نظام کی بساط لپیٹنا تھا۔ تعلیمی نظام کو مکمل طور پر لادینی رنگ میں رنگ دیا۔ "وقف" کے نظام کو مرکزی حکومت کے تابع کر دیا۔ مساجد کے اماموں کی تیاری اور تربیت کا کام بھی سیکولر حکومت نے اپنے ہاتھ میں لے لیا' تاکہ اس ادارے پر اپنا کنٹرول حاصل کرلے۔ مس شمل کے بقول یہ دور رس اثرات بھی' مسلمانوں اور صوفیا میں کام کرنے والے اداروں کو فکری اور روحانی موت کے گھاٹ نہیں اتار سکے۔

طویل عرصہ یک جماعتی نظام قائم رکھنے کے بعد ۱۹۵۰ء میں کثیر جماعتی نظام کو قائم کرنا پڑا اور عربی میں اذان کی اجازت دینا پڑی' اس مرحلے پر مذہبی احساسات' افق پر نمودار ہونے شروع ہوئے۔ حزب اختلاف اور حکومت کے درمیان تناؤ کی فضا نمایاں ہوئی۔ جس کے نتیجے میں ترک فوج نے پھر کمال کے لادینی قوم پرستانہ نظریئے کو مزید مضبوط بنانے کے لیے پیش قدمی کی۔ ۱۹۶۱ء میں "دستور" نے ان لادینی اصولوں پر زور دیا اور حسب ذیل پانچ قوانین کو "عدالتی جائزے" کے حق سے مستثنیٰ قرار دے دیا' یعنی : (۱) تعلیمی یکسانیت (۲) درویشوں کے نظام طریقت پر پابندی (۳) سول میرج کے اصول (۴) اعداد کا عالمی اور حروف ابجد کا لاطینی ضابطہ (۵) مساجد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے باہر مذہبی لباس کے استعمال پر پابندی۔

۱۹۷۱ء میں ترک حکومت کی معاشی اور نظریاتی پالیسیوں کے خلاف ردعمل پیدا ہوا۔ تب ترک فوج نے ایک بار پھر' حکومت کو چلتا کیا۔ ۱۹۷۳ء میں دوبارہ انتخابات ہوئے' مگر معاشی بدحالی نے تشدد کے رجحان کو بڑھایا اور بے چینی میں کوئی کمی نہ آئی۔ کشمکش اور تناؤ کی اسی فضا میں ایک اسلامی سیاسی پارٹی کا وجود عمل میں آیا۔ یہ سیاسی جماعت "ملی سلامت پارٹی" کہلائی۔ ستمبر ۱۹۸۰ء میں ترک سیکولر فوج نے پھر سیاسی میدان میں مداخلت کی۔ ایک نیا دستور نافذ کیا' مضبوط انتظامیہ مسلط کی اور سیاسی شہری آزادیوں پر سختی سے پابندی عائد کردی۔ یونینوں' انجمنوں اور سیاسی پارٹیوں کو غیر قانونی قرار دے کر تحلیل کردیا۔

اسی دوران تخلیق پانے والے نئے دستور نے' عوام کی مذہبی معاملات میں شمولیت پر عائد پابندیوں کو قدرے نرم کیا۔ تاکہ ترکی میں مارکسی کمیونسٹوں کے مقابلے میں نظریاتی توازن پیدا ہو سکے۔ ۱۹۸۲ء سے ۱۹۹۰ء کے درمیان ہونے والے انتخابات میں تینوں بڑی پارٹیوں میں سے کوئی بھی واضح اکثریت حاصل نہ کر سکی۔ لیکن اس منظرنامے میں ایک نیا سیاسی گروپ مضبوط بنیادوں پر ابھر کر سامنے آیا' یہ تھا اسلامی افکارو نظریات کا حامل سیاسی گروپ' جو مخلوط حکومتوں میں اپنا کردار ادا کرنے کی صلاحیت حاصل کر گیا۔

"ملی سلامت پارٹی" ۱۹۷۲ء میں سیاسی افق پر نمودار ہوئی تھی۔ اس پارٹی نے کھلے چھپے اسلامی نظریات سے اپنی وابستگی کا اظہار کیا۔ ۱۹۸۰ء کے بعد یہ پارٹی بھی دوسری سیاسی پارٹیوں کی طرح پابندی کی بھینٹ چڑھ گئی۔ ۱۹۸۲ء کے "دستور" نے تو اس کا خاتمہ کر دیا۔ لیکن نوے کے عشرے کی ابتدا میں "رفاہ پارٹی" نے اسلامی سیاسی نظریات کی نمائندگی اور عوامی قیادت کے لیے اپنے آپ کو نمایاں کیا۔ یہ پارٹی اپنے اسلامی نظریات اور پروگراموں کی تنفید و اشاعت کے لیے زیادہ سنجیدگی سے سیاسی میدان میں اتری۔

۲۷ مارچ ۱۹۹۴ء کے بلدیاتی انتخابات میں "رفاہ پارٹی" نے عوامی ووٹوں کی بنیاد پر بڑی مقبولیت حاصل کر لی۔ ۲۸ قابل ذکر بلدیاتی انتظامیہ اس کے زیر اثر آگئی' جن میں استنبول اور انقرہ کی بھی میٹرو پولیٹن کارپوریشنیں شامل ہیں۔ اکتوبر ۱۹۹۵ء میں "رفاہ پارٹی" چار سو پچاس کی پارلیمنٹ میں صرف اڑتیس (۳۸) نشستیں رکھنے کے باوجود چوتھی قابل ذکر پارٹی کی حیثیت سے ابھر کر سامنے آئی۔ جبکہ پہلے تین درجوں میں ٹروپاتھ پارٹی' مدر لینڈ پارٹی اور سوشل ڈیموکریٹ ری پبلکن پیپلز پارٹی شامل ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اتاترک کی موت کے ۵۷ برس بعد، پھر ترکی میں ایک عوامی ابھار پیدا ہو رہا ہے، جس کی منزل ترکی کے اسلامی تشخص کی بازیافت ہے۔ لیکن اس منزل کے حصول کے لیے وہ سماجی اور معاشی سطحوں میں کار ہائے نمایاں انجام دینا چاہتے ہیں۔

رفاہ پارٹی اور خواتین

ستر کے عشرے کی "ملی سلامت پارٹی" کی فکری اور سیاسی وارث بن کر آج "رفاہ پارٹی" سامنے آئی ہے۔ اس کی کامیابی کا ایک بڑا سبب نچلی عوامی اور دیہاتی سطح پر ان کا تنظیمی نظام ہے۔ انھوں نے گھر گھر جاکر دروازہ کھٹکھٹایا اور رائے عامہ کو اپنے حق میں ہموار کرنے کے لیے کام کیا۔ اسی طرح ایک اسلامی ملک کی جانب سے مالی پشت پناہی بھی حاصل کی ہے۔ اس اسلامی ملک کا نام سعودی عرب بتایا جاتا ہے۔ ہرچند کہ میں کوشش کے باوجود ان کے مابین مالی لین دین کے بارے میں کوئی دستاویزی ثبوت حاصل نہیں کر سکی، تاہم رائے دہندگان کے دل جیتنے کے لیے رفاہ پارٹی کی حکمت عملیوں کے بارے میں بہت سی باتیں اور حکایتیں ضرور سنی ہیں۔

مثال کے طور پر مجھے ایک یونی ورسٹی کے پروفیسر نے بتایا کہ "رفاہ کے کارکن روائتی قہوہ خانوں میں بیٹھ کر، ان لوگوں کی دست گیری کرنے کی باتیں کرتے ہیں، جو دیہاتی زندگی کو خیرباد کہہ کر شہروں میں رہ بس جانا چاہتے ہیں۔ مگر شہری ماحول میں انہیں شروع شروع میں سخت مشکلات کا سامنا ہوتا ہے۔ وہ رہائش، خوراک اور مال کی مدد کے طلب گار ہوتے ہیں"۔ اسی طرح بوغزیچی یونی ورسٹی کے پروفیسر نے مجھے بڑی سختی سے تلقین کی کہ ان کا نام ہرگز کسی کے سامنے نہ لوں، جب موصوف کو حفظ راز کا یقین ہو گیا تو کہنے لگا: "رفاہ پارٹی کے کارکن اناطولیہ کے نواحی دیہاتوں اور قصبوں میں رہنے والے لوگوں کی بحالی اور بہتری کے لیے مالی مدد کرتے ہیں۔ اس کے جواب میں، وہ لوگ شہروں میں اپنی بڑھتی ہوئی تعداد کے ساتھ انہیں ووٹ دیتے ہیں اور ایسے مددگار نظام کے لیے ہمدردی کے جذبات رکھتے ہیں، جو انہیں شہری زندگی میں کس میپرسی اور اجنبیت سے بچائے رکھے۔

نقل مکانی کرکے آنے والے ان لوگوں کی روز مرہ معاونت کے ساتھ، رفاہ پارٹی ان دقیانوسی مذہبی خیالات کے حامل افراد کو سہارا دیتی ہے۔ اس پارٹی کا فعال کردار اور اس کے نظریات و خیالات ان لوگوں کے مضبوط تشخص کو رفاہ کے پلڑے میں ڈال دیتے ہیں۔ مردوں کے ساتھ عورتوں کو بھی اپنا ہم نوا بنانے کے لیے رفاہ پارٹی کی خواتین جاجا کر دیہاتی خواتین کو قائل کرتی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں کہ وہ اگر قدم بڑھائیں تو ان کے بہتر مستقبل کے لیے شہری زندگی میں کوئی خطرات نہیں ہیں"۔

ترک روز نامہ "اخبار" (۹ اکتوبر ۱۹۹۵ء) رفاہ پارٹی کی خواتین سے متعلق کردار پر خصوصی اشاعت لایا۔ اس کے خیال میں رفاہ کے کاموں کا سب سے قابل ذکر پہلو' ان کا خواتین میں اثر و نفوذ ہے۔ مثال کے طور پر یہ اخبار اپنے مضمون "ترک اسلامی احیا پسند خوتین کی چائے دعوتیں : قوت کا سرچشمہ" میں لکھتا ہے : "رفاہ پارٹی کی رضا کار خواتین بڑے فعال اور پرجوش انداز سے چائے کی دعوتوں کا اہتمام کرتی ہیں' تاکہ اسلامی رفاہ پارٹی کو انتخابات میں گہری گرفت حاصل ہو سکے ... ان کی انتھک کوششوں کا محور یہ ہوتا ہے کہ وہ ہر ایک سے انفرادی رابطہ کرکے' چائے کی دعوتوں اور کانفرنسوں کا انعقاد کرکے پارٹی کے دائرہ اثر کو پھیلائیں۔ جس کے نتیجے میں پہلے سے چلی آنے والی پارٹیوں کی مقبولیت میں کمی واقع ہو' ... رضاکاروں کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ نغمہ ریز مہمات میں اپنے رشتہ داروں ' دوستوں اور احباب کو شریک ہونے کی دعوت دیں۔ جہاں پر تبادلہ خیالات ہو سکے۔ وہاں پر انہیں رفاہ پارٹی کے سربراہ نجم الدین اربکان کی ویڈیو تقاریر سنائی جاتی ہیں۔ ان شرکا (خواتین) کو کیلنڈر اور عطر بیز رومال بطور تحفہ دیئے جاتے ہیں"۔

مطلب یہ کہ یہ سماجی تقریبات اور تحفے تحائف اپنی جگہ اہم ہیں' لیکن اس سے زیادہ بڑھ کر یہ ایک حقیقت ہے' کہ خواتین میں روائتی اسلامی طرز زندگی سے بڑھتی ہوئی کشش کی تسکین کے لیے بھی اسی پارٹی کے پاس اپیل موجود ہے۔

یہ اکتوبر ۹۵ء کی بات ہے امریکی کالج کی ایک طالبہ سے میری ملاقات ہوئی۔ جس کی ماں ترک ہے اور والد البانوی باشندہ۔ یہ لڑکی اپنی پہچان "ترک امریکی مسلمان" کے طور پر کراتی ہے' لیکن شعوری طور پر زندگی اسلام کے اصولوں کی روشنی میں گزارنا چاہتی ہے۔ اس طالبہ کو میں عائشہ کے نام سے زیر بحث لا رہی ہوں۔ عائشہ نے کہا "میری عمر (یعنی اٹھارہ سال سے اوپر عمر) کی خواتین کے لیے رفاہ پارٹی کے پروگرام میں کشش پائی جاتی ہے" عائشہ روانی سے ترکی بولتی ہے' اس کی تمام تر پرورش امریکہ ہی میں ہوئی ہے' البتہ استنبول کے ایک ثانوی اسکول میں اس نے ایک سال پڑھا ہے۔

وہاں قیام کے دوران عائشہ نے رفاہ پارٹی کی بہت سی کانفرنسوں میں شرکت کی' جہاں وہ پارٹی کے ان وعدوں سے بہت متاثر ہوئی' جن کے مطابق' پارٹی یہ وعدہ کرتی ہے کہ وہ اسلامی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اصولوں کے مطابق بہتر معاشرے کی تعمیر کرے گی۔ جب میں نے اس سے یہ پوچھا کہ مذہبی پروگرام پر عمل نہ کرنے والے لادینیت پسند مسلمانوں کے حقوق کا کیا بنے گا؟ تو وہ بتانے لگی "رفاہ پارٹی نے ان کے حقوق کے تحفظ اور اپنی رائے پر چلنے کا احترام کرنے کا وعدہ کیا ہے" عائشہ اس بات پر پختہ یقین رکھتی ہے کہ "رفاہ پارٹی' دینی آدرشوں پر مبنی ریاست کی تشکیل کے وقت' بلاشبہ اسلامی قوانین کی اپنی تعبیر پر عمل کرے گی' تاہم انہیں تسلیم کرانے کے لیے لوگوں پر جبر نہیں کرے گی ... اور رفاہ کے قائدین اپنے منصوبوں کو عدل و حکمت کے ساتھ بروئے کار لائیں گے"۔

اس کے برعکس' جو ترک مسلمان خواتین اپنے آپ کو لادینیت سے وابستہ قرار دیتی ہیں' ان میں سے بیشتر اعلیٰ تعلیم یافتہ' نوجوان' اور پیشہ تجارت میں کامیابی کی شاہراہ پر گامزن ہیں۔ میں نے ان سے بھی ملاقاتیں کیں' اور ان سے رفاہ پارٹی کے پروگرام اور حکمت علمی کے بارے میں مکالمہ کیا۔ ان کا خیال ہے کہ :

(۱) رفاہ ایک خطرناک پارٹی ہے۔

(۲) رفاہ پارٹی سونے کے ٹکڑوں اور چمکتی کاروں سے ووٹ خریدتی ہے' ہم بھلا اس پر کیسے اعتبار کریں؟

(۳) ان کا طریق کار بہت سے تعلیم یافتہ ترکوں کے لیے ناقابل قبول ہے۔

جب میں نے رفاہ پارٹی سے متعلق ان خواتین کے خوف پر انہیں کریدا' تو وہ کہنے لگیں : "رفاہ کے لیڈر خواتین کے حقوق پامال کریں گے' اور ان کا آخری ہدف یہی ہے کہ ترک مسلم خواتین کو برقعے اوڑھا دیئے جائیں"۔

ایک بڑے تاجر نے رفاہ پارٹی اور کاروباری طبقے پر اس کے اثرات کے بارے میں بتایا کہ : "استنبول کی بڑی ہولڈنگ کمپنیوں میں سے "اہلاس کمپنی" کے مالک کا تعلق رفاہ پارٹی سے ہے' اور وہ مسلم طرز زندگی پر عمل کرتے ہیں"۔ اس کے مشاہدے کی مطابق : "اس فرد نے کامیابی سے اہلاس کمپنی کو چلایا اور پھیلایا ہے۔ فیشن اور ڈیزائن کی دنیا میں مغربی لباس کے برعکس خاص طور پر خواتین کے اسلامی لباسوں کی منڈی پر اجارہ داری حاصل کرلی ہے۔ اسلامی لباس ویسے ہی بہت زیادہ مقبولیت حاصل کر چکا ہے۔ رسائل و جرائد اور عام دکانیں بھی اس کو مقبول بنانے میں اپنا حصہ ادا کر رہی ہیں۔ "اہلاس کمپنی" نے ذرائع ابلاغ سے تشہیر کرکے عورتوں میں اپنی اسلامی پوشاکوں کو مزید قبول عام بخشا ہے۔ اہلاس نے کاروباری دنیا میں کامیابی کے جھنڈے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گاڑنے کے ساتھ سیاسی میدان میں بھی قدم جمایا ہے۔

جب اسی تاجر سے یہ سوال دریافت کیا تو خود اس نے حیرانگی سے کہا "اہلاس کمپنی کے دفتروں اور کام کے مراکز میں عورتیں کسی بھی منصب پر کام نہیں کر رہیں" حتیٰ کہ میں نے جب کبھی ٹیلی فون بھی کیا ہے، تو کسی مرد ہی نے اس کا جواب دیا۔ اس کے خیال میں "اہلاس والے عورتوں کی ملازمت کے کوئی مخالف نہیں، تاہم وہ ایسی خواتین ہی کو کام کی اجازت دیتے ہیں، جو اسلامی حجاب (اسکارف) کو اختیار کریں، مردوں سے الگ اور نسبتاً" کم تر مناصب پر رہ کر کام کریں"۔

اس گفتگو سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ نہ صرف اہلاس کمپنی جیسے ادارے بلکہ دوسرے لادینیت پسند ترک مسلمان بھی کاروباری اور عملی زندگی میں عورت کے نسبتاً" کم تر درجے پر کام کو ذہنی طور پر قبول کرنے کے لیے تیار ہی پائے جاتے ہیں اور وہ اس مسئلے پر کسی قابل ذکر ردعمل کا بھی اظہار نہیں کر رہے۔

انقرہ میں عورتوں کے مشاورتی بورڈ میں کام کرنے والی عورت کا ترک روزنامہ "اخبار" نے انٹرویو شائع کیا، جس میں رفاہ پارٹی کے عورتوں سے متعلق رویے کو بحث کا موضوع بنایا۔ اس نے بتایا کہ : "انقرہ میں خواتین کے مشاورتی بورڈ کے رکن ادیا فسک جو رفاہ پارٹی میں مئیر ہیں، ان کے بقول رفاہ کی بلدیاتی انتظامیہ، عورتوں کے حقوق و معاملات کے بارے میں پر جوش ہے۔ ہم نے ایک بلدیہ کو عدالت کے سامنے پیش کرادیا ہے، تاکہ وہ کارکن عورتوں کے سر چھپانے کی رہائش گاہ کو ختم نہ کرسکے اور جو عورتیں مرد کے ظلم و زیادتی سے بچ کر وہاں جگہ حاصل کر سکتی ہیں، ان کا سایہ نہ چھنے"۔ اسی طرح رفاہ پارٹی کے مرد ارکان اور پرخلوص خواتین اس بارے میں فکر مند ہیں کہ ابلاغیات کی سطح پر انہیں مشکلات کا سامنا ہے اور بہت سی نفسیاتی رکاوٹیں درپیش ہیں۔ رفاہ کے مرد حضرات میں سے بہت سارے اس بات کے قائل ہیں کہ سماجی زندگی میں زنان خانوں کی علیحدگی اور تشخص برقرار رہنا چاہیے۔

اس مسئلے میں کہ "مستقبل میں عورتوں کی حیثیت کیا شکل اختیار کرے گی؟" ترک مردوں اور عورتوں میں بہر حال یہ خوف پایا جاتا ہے کہ رفاہ پارٹی کے تحت اسلامی قوانین کے نفاذ کی صورت میں شخصی حقوق پر ضرب کاری لگے گی، اگرچہ خود رفاہ پارٹی کی قیادت ان خدشات کو بے بنیاد قرار دیتی ہے۔

ستمبر ۹۵ء میں رفاہ پارٹی کی ایک دیرینہ کارکن سیبل ارسلان نے عورتوں کے آزاد خیال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رسالے کو انٹرویو دیتے ہوئے بتایا: "مجھے بلدیاتی انتخابات کے بعد پارٹی کے مناصب سے معزول کر دیا گیا' یاد رہے میں استنبول میں رفاہ پارٹی کے شعبہ خواتین کی سربراہ تھی۔ مجھے ایسا لگتا ہے کہ اس پارٹی کی کامیابی کے بعد غریب گھرانوں سے تعلق رکھنے والی پرجوش خواتین کو بس گھروں سے ہی وابستہ رہنا پڑے گا' کیونکہ ان کی قسمت میں صرف کھڑکیوں سے جھانکنا لکھا ہوا ہے"۔

ویمن اسٹڈیز کی ایک ترک پروفیسر نے مجھے بتایا کہ "رفاہ پارٹی میں عورتوں کے لیے اہم پارٹی مناصب تک پہنچنا ناممکن بات ہے۔ حالانکہ پارٹی کی قیادت یہ جانتی ہے کہ عورتوں کے ووٹوں کے حصول کے لیے انہیں اس تعلق کو مضبوط بنانے کی ضرورت ہے' مگر مرد اس امر کی اجازت دینے کو تیار دکھائی نہیں دیتے۔"

ترکیہ میں ایک بڑی اسلامی تحریک

رفاہ پارٹی کو' ترکی کے اسلام دوست حلقوں کی بہت بڑی حمائت حاصل ہے۔ یہ لوگ ترکی میں ایک دینی معاشرے کی تعمیر کا خواب دیکھتے ہیں اور اس کے لیے عملی اقدامات بھی کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر' ترکی میں تین اسلامی بنکوں نے کام کا آغاز کیا ہے' جو اپنے کھاتہ داروں کو منافع دینے کے ساتھ ان سے "وقف" کے تحت سماجی کاموں کے لیے اموال جمع کرتے ہیں۔ استنبول میں "وقف" کے ایسے رفاہی کاموں کی بہت زیادہ تشہیر بھی ہوتی ہے' جس میں مختلف پسماندہ طبقوں کے لیے طب' رہائش اور خوراک کی فراہمی شامل ہے۔ "وقف" کی یہ اداراتی روایت' رفاہ پارٹی کی فطری حلیف بن کر سامنے آئی ہے' جو رفاہ کے مستحق ارکان کی اعانت کے لیے ایک اہم ذریعہ ثابت ہوئی ہے۔ ان اسلامی بنکوں کو کام کرنے کے لیے خصوصی اجازت ۱۹۸۳ء میں ملی تھی' جب مدر لینڈ پارٹی کے ترگت اوزال نے اسلامی احیا پسندوں کے تعاون سے وزارت بنائی۔ وزارت عظمیٰ کا حلف اٹھانے کے آٹھ روز بعد انہوں نے "خصوصی مالی رفاہی اداروں کا قانون" منظور کیا۔ ترگت کے بڑے بھائی کورکت اوزال نے سعودی اور کویتی مال دار شخصیات سے مذکرات کیے' اور اسلامی بنکوں کو کام کرنے کے لیے خصوصی مراعات دیں۔ جن سے وہ آج تک استفادہ کر رہے ہیں۔

ان قوانین کے تحت اسلامی بنک "اسلامی فلاحی اداروں" کو چلا سکتے ہیں' جنھیں دوسرے کاروباری بنکوں کی نسبت ترجیحی سہولتیں میسر ہیں۔ بوغزیچی یونی ورسٹی کے ایک پروفیسر نے بتایا کہ' یہ خصوصی قانون اسلامی بنکوں کو کام کرنے کے لیے سہولتیں دیتا ہے' انھی کے تحت "البرکہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بنک" بہت کم پس انداز رقم کے ساتھ کام کر رہا ہے' جبکہ دوسرے کاروباری بنکوں کے لیے ایسا کرنا غیر قانونی ہے۔ ان خصوصی بنکوں کی موجودگی اور کارکردگی نے بھی خاص طور پر مذہبی عناصر کو تقویت دی ہے۔

بوغزیچی یونی ورسٹی کے قریب اسلامی احیا پرستوں کی نگرانی میں چلنے والی عورتوں کی اقامت گاہ بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ جہاں پر یونی ورسٹی طالبات رہائش اختیار کرنا پسند اور شعوری طور پر مسلم معاشرت کو منتخب کرتی ہیں۔ اس اقامت گاہ میں ان کے لیے ٹھنڈے اور گرم پانی کا انتظام ہے' خوبصورت آرائش سے آراستہ کمرے ہیں' انفرادی استعمال کے لیے کمپیوٹر' حتیٰ کہ ان طالبات کے لیے تعلیمی وظائف ہیں۔ یہاں رہنے والی طالبات ڈھیلا ڈھالا اسلامی لباس پہنتی ہیں' بلکہ اسی قسم کے لباس میں یونی ورسٹی پڑھنے جاتی ہیں' جس میں سر پر اسکارف باندھنا ایک نمایاں چیز ہے۔ اپنے اس طرز عمل سے وہ یونی ورسٹی میں قدامت پسندانہ سوچ کی نمائندگی' بلکہ اس کے مجسم وجود کا اظہار کرتی ہیں۔ کسی کو نہیں معلوم کہ یہ اقامت گاہ کس طرح اپنے اخراجات برداشت کرتی ہے۔ بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ اسے براہ راست یا بالواسطہ طور پر "وقف" کے ذریعے سعودی امداد ملتی ہے۔

اسی طرح اسلامی احیا پسندوں کی جانب سے روایتی اسلامی گھریلو معاشرت کا پھیلاؤ اور اس میں مضبوطی لانا ایک مہم کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ اس مقصد کے لیے ان کے رسائل و جرائد اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔ اسی طرح اتا ترک نے جن صوفیا حلقوں پر پابندی عائد کی تھی' اب وہ شہروں میں آبسنے والے دیہاتی باشندوں کو اپنے دائرہ اثر میں لے رہے ہیں۔

یہ کتنی مضحکہ خیز بات ہے کہ ترکیہ کے جس جمہوری نظام نے اسلامی احیا پسندوں کو ترکی میں اپنے ادارے قائم کرنے اور مقاصد کے حصول کی اجازت دی' الٹا وہی تنظیم مستقبل میں اسے ایک اسلامی ریاست بنانے کے خواب دیکھنے لگی ہے۔ ترکی کے شہری' اور یونی ورسٹی کے تعلیم یافتہ افراد اس صورت حال پر کہتے ہیں: "ہمارے ریاستی نظام میں سہولتیں اور امکانات حاصل کرنے کے بعد ترکی کے یہ اسلامی احیا پسند عناصر' ایسی سوچ پر یکسو ہونا شروع ہو چکے ہیں' جیسی الجیریا اور مصر کے اسلامی احیا پسندوں نے اختیار کی"۔ مراد یہ ہے کہ ان کے نزدیک جمہوریت ایک بے معنی چیز ہے۔ دوسری جانب ترکیہ لادینیت پسند قوتیں انہیں زبردستی لگام دینے کی کوشش کرتی ہیں' جبکہ ایسے اقدامات جمہوریت سے لگا نہیں کھاتے۔ اس تناظر میں اسلامی چیلنج بڑی قوت سے ابھر کر سامنے آتا ہے' جس کے مطابق یا تو اسلامی احیا پسند قوتیں مضبوطی اور ثابت قدمی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے پیش قدمی کرتے ہوئے، آخر کار سیاسی منظر نامے پر چھا جائیں گی اور ان کی یہ پیش رفت قانونی جواز بھی حاصل کرے گی۔ یا پھر ان کے مد مقابل، ترکیہ کی لادینیت پسند قومی ریاست ان پر گرفت حاصل کرلے گی۔ مگر آخر کب تک؟ جبکہ خود وہاں کی تحریک اسلامی اس بات کا پختگی سے اعادہ کرتی ہے کہ وہ جمہوریت کے تحفظ اور مضبوطی کو یقینی بنائے گی۔

ترکیہ میں سلگتے مسائل

آج ترکی میں اسلامی احیا پسندوں کی کامیابیوں کے پس منظر میں تین ایشو بحث کا موضوع ہیں:

۱۔ تعلیم
۲۔ اقلیتیں
۳۔ ترک عورت، اسلامی یا ترک تشخص؟

یہاں پر ہم تیسرے نکتے پر بات کریں گے۔ ترکی کے طول و عرض میں جس مسئلہ پر سب سے زیادہ بحث ہو رہی ہے وہ ہے، اسلامی احیا پسندوں کی کامیابی کی صورت میں ترک عورت کا مستقبل۔ اس مسئلے نے بہت سے سوالات اٹھائے ہیں۔ مثال کے طور پر، ترک عورت کا لباس کیا ہو گا؟ ۱۹۲۵ء میں اتاترک نے ترکیہ کے روائتی اسلامی لباس "فیز" پر پابندی عائد کر دی تھی، اور کہا تھا "کہ یہ لباس دقیانوسی، غیر مہذب، متعصبانہ، رجعت پسندانہ اور ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے"۔ اسی لیے اس لباس کا پہناوا "فوجداری جرم" قرار دیا گیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ شہری تعلیم یافتہ عورتوں نے پردے کا پردہ چاک کیا، پیشہ ورانہ میدانوں میں آگے بڑھیں اور نئی جمہوریہ کی "جدید" خواتین کہلائیں۔

آج ہم ترکی کے شہروں، استنبول اور انقرہ کی یونی ورسٹیوں، کالجوں اور اسکولوں میں یہ منظر دیکھتے ہیں کہ ایک طرف یورپ میں رائج جدید مغربی لباس زیب تن کیے خواتین گھوم پھر رہی ہیں، جنھوں نے منی اسکرٹ اور چست لباس پہنا ہوا ہے، اور ان کے مد مقابل دوسری عورتیں لمبے کوٹ، بھاری بوٹ پہنے اور سروں پر اسکارف باندھے دکھائی دیتی ہیں۔ عورتوں کا لباس آج ترکی کی محفلوں اور مجلسوں کا سب سے زیادہ گرما گرم نکتہ بحث ہے۔

۱۹۸۰ء کے بعد وہ عورت جو ساتر اور ڈھانپنے والا لباس زیب تن کرتی ہے اسے ترکی کے شہروں میں اسلام کی چلتی پھرتی علامت سمجھا جاتا ہے۔ ایسی عورتیں جو لمبے، ڈھیلے ڈھالے، اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کوٹ، مضبوطی سے سر ڈھانپنے والے اسکارف اور گردن کو چھپانے والے رومال باندھتی ہیں، انہیں ہم شہروں اور یونی ورسٹیوں میں بہ کثرت دیکھ سکتے ہیں۔ یہ عام طور پر اسلام پسند عورتیں ہوتی ہیں۔ یہ عورتیں اپنے آپ کو "تحریک آزادی نسواں" اور "بائیں بازو" کے خیالات رکھنے والی خواتین کے مقابلے میں منظم اور ان کا مقابلہ کرتی ہیں۔ اسی طرح اب یہ ان خواتین کے لیے "کمالسٹ" یا "اتا ترکسٹ" عورتوں کی پھبتی کستی ہیں۔ یہ اس مناقشے کے نئے قابل ذکر مضمرات ہیں۔

عائشہ کودگلو، جن کا تعلق بلقان یونی ورسٹی انقرہ سے ہے، وہ "روایتی اسلام" اور "سیاسی اسلام" کے فرق کو واضح کرتے ہوئے کہتی ہیں: "روایتی اسلام (عورت کو) نجی دائرے میں پابند بناتا ہے، لیکن "سیاسی اسلام" انہیں میدان عمل میں لاتا ہے اور سیاسی کارگہ میں اتارتا ہے ..." عورتوں کا سرڈھانپنے کا لباس انہیں روایتی مسلمانوں سے ممتاز کرتے ہوئے سیاسی اسلام پسندوں سے منسوب کردیتا ہے۔ یہ چیز ان عورتوں میں شدت پسندی لاتی ہے۔ مثال کے طور پر "باسرتو" اور "تربان" کو لیجیے۔ "باسرتو" ایک چھوٹا رومال ہوتا ہے، جس سے سرتو ڈھانپ لیا جاتا ہے، مگر یہ گردن کو نہیں ڈھانپتا۔ "باسرتو" کو روایتی اسلام پسند عورتیں استعمال کرتی ہیں، جو روایتی اسلامی رسم و رواج پر یقین رکھتی ہیں، گرہستن کی ذمہ داریاں ادا کرتی ہیں اور سیاسی میدان عمل سے کوئی علاقہ نہیں رکھتیں۔ ایسی عورتیں قصبات، دیہات یا بڑے شہروں کے نیم شہری علاقوں میں رہتی ہیں۔ ان کے برعکس "تربان" ایک لمبا چوڑا رومال ہوتا ہے، جو نہ صرف سر ڈھانپتا ہے، بلکہ گردن کو بھی پردے کی لپیٹ میں لیتا ہے۔ اسے استعمال کرنے والی عورتیں موسمی تبدیلی سے بے نیاز لمبے کوٹ پہنتی ہیں، اور فعال اسلام پسند گروپوں سے تعلق رکھتی ہیں۔ "تربان" ایسی عورتوں کا شہری پہناوا ہے۔ اسے پہننے والی خواتین عام طور پر یونی ورسٹی اور کالجوں کی طالبات ہوتی ہیں۔

اسی طرح ایک دوسری تحقیق کار خاتون عائشہ سکتنبر بتاتی ہیں کہ "ترکی کے شہری علاقوں میں اسلامی احیا پسندی کی موجودہ لہر کی بنیاد ایک متبادل سماجی اور اخلاقی نظام کی بازیافت ہے، جو بہرحال اسلامی طرز حیات ہے"۔ مطلب یہ کہ ایسی خواتین اپنا من پسند اسلامی لباس پہن کر ایک طرح کا فخر اور طمانیت محسوس کرتی ہیں۔ یہ شہری خواتین "لادینیت پسند جدیدیت" کی مزاحمت کرتی ہیں اور اسلام پر عمل کے کھلے اظہار کو خوشی سے قبول کرتی ہیں۔ عائشہ سکتنبر کے خیال میں "یہاں پر اسلام اور لادینیت (سیکولرازم) کا تصادم نہیں ہے، بلکہ جدید ترک خاتون کی بہتر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معاشرتی زندگی اختیار کرنے کی خواہش ہے"۔

ایک اور ترک ماہر سماجیات نیلوفرگوول اس مسئلے کا دوسرا سرا تلاش کرتی ہیں۔ ان کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ "کمال پسند ترک نظام نے جدید عورتوں کے لیے صرف ایک نمونہ اختیار کرنے کی پابندی عائد کی' جسے "قومی عورت" کہا گیا۔ جسے عوامی زندگی میں سماجی طور پر نمایاں نظر آنا تھا' قوم کی نئی نسل میں جدیدیت پسندی کو پروان چڑھانا تھا۔ اسے معروف معنوں میں ایک مغرب زدہ عورت نہیں بننا تھا' بلکہ باوقار انداز سے اپنے بچوں کی ہمدرد ماں' اپنے شوہر کی مددگار ساتھی اور قومی تعمیر جدید کا ہراول دستہ بننا تھا... مسلط کردہ نسوانی ماڈل نے ترک مسلم عورت کو بہت سے سنجیدہ مسائل سے دوچار کردیا۔ اسے جدید طرز احساس کے ساتھ اپنے تشخص کے تحفظ کا مسئلہ درپیش تھا۔ امکانات کی دنیا میں روایتی ترک عورت کے لیے صرف دو راستے تھے "جدید قومی عورت" کا روپ دھارنا یا "محب اسلام عورت" کی شکل اختیار کرنا۔ آج اس نے محب اسلام عورت کے روپ کو زیادہ آرام دہ اور باوقار سمجھتے ہوئے قبول کرنے میں پیش رفت کی۔ یہ ایک ایسا روپ ہے جسے جدید اسلامی تحریک نے وضع کیا ہے

ایک دوسری ماہر سماجیات سنسر ایاتا کا خیال ہے کہ: "کمالسٹ عورت اور محب اسلام عورت کے درمیان کبھی خلیج حائل نہیں ہوئی۔ یہ "روایتی اور جدید زندگی کے دونوں دائروں میں کام کرنے کے لیے تیار ہیں۔ یہ کبھی اس مقام پر نہیں تھیں' اور کبھی اس مقام پر نہیں پہنچیں گی' کہ جس میں دوسری کا مکمل صفایا ہی پہلے کی کامیابی تصور ہو۔ ایسا ہرگز نہیں ہے"۔

جدید ترکی کی شہری عورت' روایتی اور جدید اثرات کو قبول کرتی ہے۔ محب اسلام عورتیں' اپنی ہم جماعت سیکولر عورتوں سے دوستانہ مراسم رکھتی ہیں' ان کے پہناوے' پتلونوں اور سویٹروں پر انہیں کوئی اعتراض نہیں ہوتا' بلکہ وہ بقائے باہمی کے اصول پر آپس میں ملتی جلتی ہیں۔ یہ سب جدید تعلیم یافتہ عورتیں کامیاب زندگی گزارنے کے لیے کامیابی ہی کے زینے پر قدم رکھتی ہیں' اور کاروباری مصروفیات میں بھی کامیاب رہتی ہیں۔ وہ یہ جانتی ہیں کہ انہیں بچوں کی ماں بننا ہے' مگر اس سے بڑھ کر اپنے بچوں کی نفسیاتی فلاح اور پرورش پر توجہ دینا ہے۔ یہ حقیقت ان پر واضح ہے کہ اپنے بچوں کی نگہداشت کی ذمہ داری دوسرے پر ڈالنا مسئلے کا حل نہیں' بلکہ یہ ان کا اپنا کام ہے۔ عائشہ کودگلو ان ترک خواتین کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ ترک مسلم خواتین کو معاملات کو اس طرح نہیں دیکھنا چاہیے' جس سے ہر چیز دو مختلف رنگوں میں نظر آئے' مراد یہ کہ انہیں' سیکولر اور اسلامی یا جدید اور روایتی کی بحث اور تقسیم میں نہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پڑنا چاہیے۔ اس لیے نہیں کہ یہ رویہ بہت سی پیچیدگیاں پیدا کرے گا' بلکہ یہ جدید ترک عورت میں مصنوعی تفریق بھی پیدا کردے گا۔ ... حجاب پسند مسلم عورت کو دقیانوسی' مصیبت زدہ اور رجعت پسند کہنے کا مستشرقانہ رویہ درست نہیں ہے۔ یہ سمجھنا بھی غلط بات ہے کہ جدیدیت اور اسلام میں یکجائی ممکن نہیں۔ یہ مسئلہ کہ " اسلامی لباس " پہننے سے جدیدیت کی ہوا اکھڑ جائے گی' ایک ایسا موہوم اور بے بنیاد خدشہ ہے کہ جس پر سیکولر ترکوں' اور مغرب میں آزادی نسواں کی علم بردار خواتین کو ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچ بچار کرنی چاہیے۔ امریکی تحریک نسواں کی قائدین اکثر بڑی انتہا پسندانہ سوچ پر جم جاتی ہیں۔ وہ اپنے ہی تصور جہاں میں' سب کچھ دیکھنا چاہتی ہیں۔ انہیں اس بات سے کوئی غرض نہیں ہوتی کہ دوسروں کی تہذیب و ثقافت بھی کوئی مقام و مرتبہ رکھتی ہیں۔ ہمیں "تشخص" اور "ترقی" کی بحث میں اصل مسئلے کو غتر بود نہیں کر دینا چاہیے"۔

خاتمہ بحث

درحقیقت ترکی میں اسلامی احیا کی بازگشت نے پیش منظر اور مستقبل کے تناظر پر گہرے اثرات ڈالے ہیں۔ اسی حوالے سے ترک سیاست دانوں اور درس گاہوں میں یہ موضوع زیر بحث ہے۔ اس مسئلے نے ترکی میں "سیکولرازم کے مستقبل اور اسلام" کے مابین مقابلے پر مباحثہ گرم کیا ہے۔ یہ صرف عورتوں کے لیے ایک جذباتی مسئلہ نہیں ہے' بلکہ پورے ترک معاشرے کا زندہ مسئلہ ہے۔ صرف اسلام پسند عورتوں کو ہی نہیں' بلکہ مغرب پسند ترک عورتوں کو بھی اس مسئلے کا عالمانہ جواب دینا ہو گا۔ مسلم دنیا سے وابستگی اور سیکولر معاشرے سے تعلق کی بنیاد پر یہ ایک بر محل سوال ہے کہ "تبدیلی کے عمل میں شہری اور قانونی حقوق کے تحفظ کا کیا بنے گا؟" ترک عورتوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ مغربی جمہوریت اور عقل و دانش پر مبنی تحفظ ذات پر اپنی حیثیت اور کردار کا تعین کریں۔ اگر عثمانی خلافت کا زمانہ اور ری پبلکن تاریخ کو ذہنوں میں تازہ رکھا جائے' تو پھر ترک عورت ایسے منفرد مقام پر کھڑی ہے کہ وہ با آسانی دونوں مفروضوں کا جائزہ لے سکتی ہے' مطلب یہ کہ اس کے لیے یہ بالکل ممکن ہے کہ وہ مغربی تحریک نسواں کے خیالات اور اسلامی فکر سے سرشار عورت کے نقطۂ نظر کو پرکھ سکے۔

© rasailojaraid.com